سوانح- مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ

محمد شکیل صدیقی*
حمیرا ناز**

ABSTRACT

The renowned scholar of Indo Pak Mawlana Sa'id Ahmad Akbarabadi is not a new name in literary and scholarly circles of Indo Pak. He keeps a prominent position in modern and traditional scholarly gathering for his Knowledge and Wisdom, morality and integrity, profundity and depth in knowledge and skill, didactic and research services. He was a broad vision and enlightened scholar. He studied in traditional and modern academies and also taught in these institutions, so his personality was the combination of modern and traditional traits. He was prominent writer of his time. His subject was Quran o Hadith, Sirat al Nabi SAW, and Islamic History, he penned down more than a dozen books on above mentioned topics, on the other hand he remain the editor of monthly "Burhan" for 48 years during which he gained the height of popularity in journalistic circles. Due to his individuality, distinctiveness and outstanding traits the fields of his services are very extensive and full of variety. The present study in constituted of brief life sketch of Mawlana Sa'id Ahmad Akbarabadi, in which the various aspect of his personality is highlighted.

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی وفات، برعظیم پاک و ہند کی تاریخ کا وہ موڑ ہے جب اس خطے سے مسلمانوں کے مطلق سیاسی اقتدار کا آفتاب نہ صرف غروب ہوگیا بلکہ فرنگی اور برہمنی استعمار کے اُبھرتے ہوئے اقتدار نے ڈھائی سو سال تک ملّتِ اسلامیہ کو محکوم و غلام اور تہذیب اسلامی کو مغلوب و مغضوب بنائے رکھنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تاہم یہ حقیقت بھی اظہر من الشّمس ہے کہ زوال و انحطاط کے اسی پرُآشوب دور میں اکابرین ملّت نے اپنے علم و عمل کے ذریعے مسلم ملّت کے تشخص اور تہذیب اسلامی کے احیاء و استقرار کے لیے ہر شعبہ حیات میں علمی و فکری رہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور علمی جدو جہد کی ایسی تاریخ رقم کی جو بلاشبہ مسلمانانِ پاک و ہند کے لیے آج بھی سرمایہ افتخار ہے ان اکابرین ملّت میں ایک نام حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ کا بھی ہے جنھوں نے اپنے رشحاتِ قلم سے علم و دین کی خدمت اور ملّت اسلامیہ کی بیداری میں نمایاں کردار ادا کیا۔

* ڈاکٹر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی
** لیکچرار، شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی۔ برقی پتا: humera07@live.com
تاریخِ موصولہ: ۲۰ جنوری ۲۰۱۱ء

مولانا اکبر آبادی کی سیرت وشخصیت اور جہات علمیہ کے مطالعہ کی متعدد کوششیں کی گئی ہیں۔(۱) تاہم آپ کی حیات و خدمات کے ایسے بہت سے پہلو ہیں جواب بھی تشنہ و نا تمام اور سنجیدہ تحقیقی مطالعہ کے متقاضی ہیں، اس حوالے سے شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی میں مولانا اکبر آبادی کے حیات و خدمات پر ایک جامع منصوبے پر عملدرآمد کا آغاز ہو گیا ہے۔(۲) زیر نظر مقالہ ''سوانح -مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ'' اسی منصوبے کی ایک کڑی ہے، جس میں مولانا اکبر آبادی کا مختصر مگر جامع سوانحی خاکہ تحقیقی نقطہ نظر سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نسب وخاندان:(۳)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا تعلق ایک ممتاز ومتمول اور دینی وعلمی گھرانے سے تھا جو اپنے علم وفن کی وجہ سے احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔(۴)

مولانا اکبر آبادی بچھرایوں(۵) کے شیخ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔آپ کے دادا حکیم غلام نیاز مراد آباد کے ایک مشہور طبیب تھے۔جبکہ ان کا ننھیالی خاندان سیوہارہ کا شیخ خاندان تھا۔مولانا اپنے ددھیال اور اپنی ننھیال دونوں خاندانوں کی روایات کے علمبردار وامین تھے۔

مولانا کے والد بزرگوار ڈاکٹر محمد ابرار حسین اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ان کا کوئی اور بہن بھائی نہ تھا ڈاکٹر ابرار حسین نے اگر چہ طب کی تعلیم حاصل کی تھی (ایلوپیتھی ڈاکٹر تھے) اور اپنے پیشہ وفن میں مہارت اور لگن کی وجہ سے بڑے مشہور تھے لیکن ان کا میلان ورجحان اصلاً دین و مذہب کی جانب زیادہ تھا۔(۶) چنانچہ وہ مکتبہ دیو بند سے وابستہ اور علمائے دیو بند کے عاشق تھے۔ڈاکٹر ابرار حسین، قاضی عبدالغنی منگلوریؒ سے بیعت یافتہ تھے خصوصاً حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے بڑی عقیدت ومحبت رکھتے تھے دیو بند کے مشہور جلسہء دستار بندی میں بڑے ذوق وشوق اور اہتمام کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ڈاکٹر ابرار حسین کا انتقال ۱۹۵۳ء میں ۸۲ برس کی عمر میں ہوا۔مولانا اکبر آبادی نے اپنے مشفق والد کی وفات حسرت آیات پر اپنے احساسات وجذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ:

> ''والد صاحب قبلہ رخصت ہوئے تو واقعی ایسا لگا کہ کنج باغ میں دیوار سے ٹیک لگائے اطمینان سے بیٹھا گنگنا رہا تھا کہ ناگاہ ایک زلزلہ آیا اور دیوار اڑکر گر پڑی۔''(۷)

مولانا اکبر آبادی کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی شمس النساء تھا اور ان کے والد محمد ابراہیم ڈپٹی تھے جو سیوھارہ(۸) کے رہنے والے تھے۔محمد ابراہیم کا خاندان نہایت مذہبی تھا وہ کثیر العیال تھے ان کے دو بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں(۹) مولانا اکبر آبادی کی والدہ محترمہ شمس النساء بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹی تھیں انہوں نے اُس وقت کے رسم ورواج کے مطابق گھر سے باہر اسکول یا مدرسہ میں جانے کے بجائے گھر ہی میں تعلیم حاصل کی، مذہبی خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے مذہب سے خاص لگاؤ تھا اور مذہب کے بارے میں بہت کچھ جانتی تھیں محترمہ شمس النساء کی شادی خاندانی روایت کے برعکس

خاندان سے باہر ڈاکٹر ابرار حسین سے ہوئی۔مولانا اکبر آبادی کی والدہ نہایت کریم النفس اور بااخلاق خاتون تھیں ان کا انتقال ۲۴ نومبر ۱۹۴۳ء کو دلّی میں ہوا اور یہیں ان کی تدفین بھی عمل میں آئی۔مولانا اکبر آبادی نے اپنی والدہ کے انتقال پر اپنے رنج و ملال کا اظہار ایک موقع پر ان الفاظ میں کیا کہ:''جب والدہ ماجدہ کا انتقال پُر ملال ہوا تو بالکل یہ محسوس ہوا کہ میرے سر پر ایک چھت تھی جو میرے اور بلّیات آسمان کے درمیان حائل رہتی تھی وہ اچانک اڑ گئی اور اب میرے اور آسمان کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں رہی۔''(۱۰)

ولادت اور بچپن:

مولانا سعید احمد اکبر آبادی مسلم لیگ کے قیام (۱۱) کے تقریباً دو سال بعد نومبر ۱۹۰۸ء میں اکبر آباد (آگرہ) میں صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے (۱۲)۔مولانا اکبر آبادی کی ولادت اُس بشارت کی تعبیر تھی جو ان کے والد کو شاہ عبدالغنی منگلوریؒ نے دی تھی اس حوالے سے مولانا کے والد اپنے ایک خواب کا تذکرہ کرتے ہیں۔''جس روز میرے بیٹے کی ولادت ہوئی اس سے پچھلی شب ہی صبح صادق کے وقت میں نے خواب دیکھا کہ ملازم نے مجھ کو اطلاع دی کہ دو صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں، نیچے اتر کر دیکھا تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کھڑے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ڈاکٹر! خدا نے تم کو فرزند سعید عطا کیا ہے ہم اس کی مبارکباد دینے آئے ہیں ان حضرات نے یہ فرمایا اور چل دیے اس خواب کے دو تین گھنٹے بعد مولانا سعید کی ولادت ہوئی۔''(۱۳)

مولانا اکبر آبادی اپنے والدین کی اکلوتی اور چہیتی اولاد نرینہ تھے۔(۱۴) اس لیے آپ کی پیدائش پر عقیقہ کی تقریب خوشی کے طور پر اس دھوم دھام سے منائی گئی کہ اس کا چرچا اور شہرت کئی روز تک آگرہ بھر میں رہی۔(۱۵) مولانا کی پیدائش کے تین برس بعد آپ کی ایک بہن بھی پیدا ہوئیں جن کا نام مقبول فاطمہ رکھا گیا، مقبول فاطمہ کی شادی مرتضی احمد علوی سے ہوئی جو پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر تھے ان کے تین بیٹے تھے اور بیٹی کوئی نہیں تھی۔مقبول فاطمہ کا انتقال ۲۷ برس کی عمر میں ۱۹۳۸ء میں راجستھان میں ہوا اور یہیں تدفین ہوئی جبکہ ان کے شوہر کا انتقال علیگڑھ میں ہوا۔(۱۶)

مولانا اکبر آبادی کا بچپن اور لڑکپن اگرچہ عام بچوں کی طرح کھیلتے کودتے گزرا۔(۱۷) لیکن صحت، ذہانت اور حافظہ اور علمی ذوق وشوق عام بچوں سے مختلف تھا۔آٹھ برس کی عمر میں مشکل سے مشکل اشعار کا مفہوم اپنے لفظوں میں بیان کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

تعلیم وتربیت:

مولانا اکبر آبادی کے والد ڈاکٹر ابرار حسین نے اپنے اکلوتے بیٹے کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک جامع منصوبہ پیدائش کے وقت ہی ترتیب دے لیا تھا مولانا کی پیدائش جن غیر متوقع حالات میں ہوئی تھی اس کے باعث آپ کے والد نے فیصلہ کیا تھا کہ اپنے بیٹے کو دیوبند بھیج کر عالم بنائیں گے اور اسے علم دین کی تحصیل اور خدمت دین کے لیے وقف کر دیں گے چنانچہ

آپ کے والد نے ابتداء ہی سے آپ کی تعلیم وتربیت پر اپنی توجہ مرکوز رکھی۔آپ کی تعلیم وتربیت کے لیے نامور اور ماہر اساتذہ کا تقرر کیا اور اپنے وقت کے اعلیٰ تعلیمی اداروں کا انتخاب کر کے اپنے منصوبوں کو کامیابی کے ساتھ تکمیل تک پہنچایا۔ مولانا کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی آپ کے والد ابرار حسین نے قاضی عبدالغنی منگلوریؒ سے بسم اللہ کی رسم ادا کرنے کی درخواست کی۔انہوں نے ایک نیم مجذوب میاں محمد افضل کو بھیج دیا۔انہوں نے بسم اللہ پڑھوائی اور اس طرح آپ کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہو گیا گھر پر ہی فارسی اور عربی کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا۔دیوبند کے ایک عالم وفاضل مولوی خورشید علی عربی کی تعلیم دیتے تھے۔(۱۸) جبکہ حساب، تاریخ اور جغرافیہ کے لیے ایک قابل ہندو گریجویٹ استاد ماسٹر مکٹ بہاری لال کو مقرر کیا گیا، جو شام کو دو گھنٹے تمام مضامین پڑھاتے تھے۔صرف ونحو کی تعلیم مولانا غلام نور صاحب سے حاصل کی اور کافیہ اور قدوری مکمل کی۔

گھریلو تعلیم کے بعد آپ کو مرادآباد کے مدرسہ امدادیہ(۱۹) میں داخل کرادیا گیا۔یہاں مولانا سید مرتضیٰ حسین چاند پوری، صدر مدرس، مولانا محمد اسحٰق کانپوری اور مولانا محمد حنیف امروہوی کے زیرنگرانی شرح جامی اور شرح وقایہ پڑھیں۔ مدرسہ امدادیہ کے تعلیمی سال کے اختتام پر مولانا کے والد ڈاکٹر ابرار حسین نے اپنے طے شدہ منصوبے کے مطابق دارالعلوم دیوبند بھیجنے کا فیصلہ کیا۔(۲۰) دارالعلوم دیوبند میں اپنے فرزند سعید کو تعلیم دلانا مولانا کے والد کا دیرینہ خواب تھا اس حوالے سے ان کے عزم کا اظہار اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ۱۳۲۸ ہجری میں ڈاکٹر ابرار حسین دارالعلوم دیوبند کے عظیم الشان جلسۂ دستار بندی میں شریک ہوئے یہاں حضرت شیخ الہند اور مولانا محمود الحسن اور دوسرے اکابرین علم و دین کی موجودگی میں تقریریں ہوئیں جس نے ایک عجیب وغریب ولولہ انگیز فضا پیدا کر دی لہٰذا انہوں نے ٹھان لی کہ میں اپنے بیٹے (سعید) کو عالم بناؤں گا۔(۲۱) مولانا سعید احمد اکبرآبادی دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے پہلے سال نزدیک ہی ایک محلّہ شاہ ابوالمعالی میں اپنی والدہ کے ساتھ منتقل ہو گئے بعدازاں دارالعلوم کی اقامت گاہ ہی میں سکونت اختیار کر لی۔دارالعلوم کی اقامت گاہ میں آپ کا کمرہ استاد کبیر مولانا سید سراج احمد رشیدیؒ کے ساتھ تھا اس طرح آپ براہ راست ان کی نگرانی میں رہے۔

مولانا اکبرآبادی دارالعلوم دیوبند میں اپنے زمانہ طالبعلمی کو تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں ان کے مطابق پہلا دور گوشہ نشینی کا ہے جس کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ ”پہلے دور میں گوشہ نشین رہا، گھر سے مدرسہ اور مدرسے سے گھر، بس یہی میری دنیا تھی، طلباء سے گھلنا ملنا نہیں تھا سوائے مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی جو میرے اس دور کے اکلوتے دوست تھے“۔دور ثانی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”اس دور میں حلقہ وسیع ہوا میں نے طلباء کی انجمنوں کے جلسوں میں شرکت اور ان میں تقریر کرنا شروع کر دی“۔دور ثالث جو تین سال کی مدت پر مشتمل ہے اور آخری دور ہے اس کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ ”میری تعمیر وتشکیل جو کچھ ہوئی اسی دور میں ہوئی، پہلے میرا ماحول شعری اور ادبی تھا اب میرا ماحول علمی اور دینی ہو گیا پہلے میری صحبت چند شہری طلباء کے ساتھ تھی اب میں ہر وقت اساتذہ کرام اور چند نہایت ہونہار طلباء کے ساتھ تھا جو ذہین ومستعد تھے۔“(۲۲)

سفر حج:

مولانا اکبر آبادی ابھی زیر تعلیم ہی تھے کہ ۱۹۲۵ء میں دارالعلوم دیو بند کی سالانہ تعطیل کے موقع پر آگرہ آئے تو اُن کے والد نے ان کی والدہ شمس النساء کی نذر پوری کرنے کے لیے مولانا اکبر آبادی کو والدہ کے ہمراہ حج کے لیے روانہ کر دیا۔(۲۳) مولانا اکبر آبادی کا یہ سفر حج اس لحاظ سے یادگار رہا کہ سعودی حکومت نے بیرونی اقتدار و تسلط کے بعد ۱۹۲۵ء میں مکۃ المکرّمہ میں موتمر العالم اسلامی کی پہلی کانفرنس منعقد کی تھی۔ اس کانفرنس میں شرکت کے لیے جمعیۃ العلماء اور خلافت کمیٹی کے دو وفود بھی شرکت کر رہے تھے۔ جمعیۃ العلماء کے وفد میں صدر مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا احمد سعید اور مولانا عبدالحلیم صدیقی شامل تھے جبکہ خلافت کمیٹی کا وفد مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور شعیب قریشی پر مشتمل تھا۔ ان کے علاوہ بھی متعدد علماء اور ممتاز افراد اسی جہاز سے بمبئی سے سوار ہوئے جس میں مولانا اکبر آبادی اور ان کی والدہ سوار تھیں۔ اس اعتبار سے مولانا اکبر آبادی کو صبح و شام ان اکابرین کی خدمت میں حاضر رہنے کا موقع ملا۔ حجاز مقدس میں علامہ سید رشید رضا (مصر) مفتی اعظم فلسطین محمد امین الحسینی اور دوسرے اکابر علماء وزعماء کو بھی قریب سے ملنے اور دیکھنے کا موقع ملا۔ اس طرح مولانا اکبر آبادی کا سفر حج حرمین شریفین کی زیارت کے ساتھ علمی اور تعلیمی اعتبار سے نہایت مفید ثابت ہوا۔ ۱۹۶۷ء میں مولانا اکبر آبادی نے دوسری مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی۔ (۲۴)

مولانا اکبر آبادی کے اساتذہ:

یہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی خوش نصیبی تھی کہ انہیں اپنے عہد کے نامور اور ماہر اساتذہ سے اکتسابِ علم کا موقع ملا۔ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ سے ۱۹۲۵ء میں مولانا اکبر آبادی نے دورہ حدیث مکمل کیا۔ آپ مولانا کشمیریؒ سے بے حد متاثر تھے۔ مولانا اکبر آبادی کے دیگر اساتذہ میں (۱) مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ (۲) مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (۳) مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ (۴) مولانا مفتی اعزاز علیؒ (۵) مولانا حسین احمد مدنیؒ (۶) مولانا رسول خانؒ (۷) مولانا عبدالسمیعؒ (۸) مولانا سراج احمد رشیدیؒ شامل تھے (۲۵) علم و فضل، زہد و تقویٰ، شریعت اور طریقت اور تدبر و سیاست کے یہ سب ماہ و خورشید دارالعلوم دیو بند میں اکٹھا تھے اور مولانا اکبر آبادی نے ان سب کے علم و فضل اور ادب و تقوی کے نور سے خود کو منور کیا۔

ازدواجی زندگی:

مولانا اکبر آبادی جنوری ۱۹۲۸ء میں دارالعلوم دیو بند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (ضلع سورت، گجرات) چلے گئے اور بحیثیت استاد تین سال تک فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ڈابھیل کے قیام کے دوران مئی ۱۹۲۸ء میں آپ کی شادی ڈاکٹر ابرار حسین کی پھوپھی زاد بہن انوری بیگم کی بیٹی اختری بیگم سے ہوئی۔(۲۶) شادی مولانا اکبر آبادی کی پسند سے ہوئی۔ مولانا نے اپنی شادی خصوصاً بارات کے بارے میں لکھا ہے کہ ''بارات بہت سادہ تھی لیکن اس کی امتیازی حیثیت یہ تھی کہ ملّتِ اسلامیہ پاک و ہند کے اکابر علماء یعنی شیخ العرب والعجم حضرت محمد انور شاہ کشمیریؒ،

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سراج احمد رشیدیؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا محمد ادریس سکروڈیؒ، مولانا محمد یحییٰ تھانویؒ اس بارات میں شامل تھے، آگرہ کی سرزمین نے کسی بارات میں ایسی نادر روزگار شخصیتوں کا اجتماع کہاں دیکھا ہوگا۔ حضرت شاہ صاحب نے نکاح پڑھایا۔ جب نکاح ہو چکا تو حضرت نے میری طرف دیکھا، مسکرائے، مبارکباد دی اور کچھ پڑھ کر مجھ پر دم کیا۔'' (۲۷)

مولانا کی ۵۳ سالہ ازدواجی زندگی نہایت مثالی تھی وہ اس پر مطمئن اور مسرور تھے جس کا اظہار ان کی تحریروں میں نظر آتا ہے خصوصاً اپنی اہلیہ سے انہیں بڑی عقیدت و محبت تھی۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: ''ہر بیوی محبوبہ نہیں ہوتی اور اسی طرح ہر محبوبہ بیوی نہیں ہوتی اس لیے اگر کسی میں یہ دونوں وصف جمع ہوں تو اس کو ایک نعمتِ خداوندی اور عطیہ ایزدی سمجھنا چاہیے، پھر اگر محبت وہ جو شباب کی امنگوں کی مرہونِ احسان نہ ہو بلکہ اس کی آبیاری بچپن کی معصوم طلب و جستجو کی نرم و نازک زمین میں ہوئی ہو تو اسے تو نعمتِ عظمیٰ اور قدرت کی طرف سے محبت کبریٰ جاننا اور یقین کرنا چاہیے۔ میں مرحومہ کو ایسا ہی سمجھتا تھا مجھے ان سے محبت ہی نہ تھی بلکہ یک گونہ عقیدت بھی تھی۔'' (۲۸)

مولانا ایک اور جگہ اپنی اہلیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ''مرحومہ کو حسن و جمال ظاہری کی طرح حسن و جمال معنوی سے بھی وافر ملا تھا۔ نماز، روزہ اور تلاوت کلام مجید کی بڑی پابند تھیں، مطالعہ ان کا نہایت محبوب مشغلہ تھا۔ ناول اور افسانے کم، مذہبی اور تاریخی کتابوں کا مطالعہ بڑے انہماک اور توجہ سے کرتی تھیں۔ میں نے لیٹ کر یا کسی چیز سے ٹیک لگا کر کتاب یا اخبار اور رسالہ پڑھتے کبھی نہیں دیکھا، حافظہ بہت اچھا تھا۔ جو پڑھتیں وہ یاد رہتا تھا۔ کم سخن تھیں مگر جب بات کرنے پر آتی تھیں خوب بولتی تھیں، طبیعت کی نہایت نیک اور صالحہ تھیں، کوئی نازیبا کلمہ زبان سے نکالنا تو بڑی بات ہے، میں نے ان کو کبھی کسی کی برائی یا غیبت کرتے نہیں سنا۔ خیر خیرات، داد و دہش اور خاطر تواضع کرنے کی دھنی تھیں۔ جو ایک مرتبہ مل لیتا ان کے حسن اخلاق کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ اچھا کھانے اور اچھے لباس کا ان کو شوق تھا۔ مگر روپیہ سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ نوکر چاکر الٹا سیدھا جو چاہیں کریں وہ پکڑ دھکڑ نہ کرتی تھیں، حرام و حلال اور جائز و ناجائز کا بڑا خیال رکھتی تھیں، عفت و عصمت کا یہ عالم تھا کہ میں اس کی قسم کھا سکتا ہوں، میں جب کبھی سفر میں جاتا وہ فوراً قرآن شریف لے کر کھڑی ہو جاتیں اور اس کے نیچے سے تین مرتبہ نکال کر اور خدا حافظ کہہ کر رخصت کرتیں اور جب واپس آتا تو دروازہ پر استقبال کرتی تھیں۔ صبر و شکر اور تسلیم و رضا کی خوگر تھیں، بڑے سے بڑے حادثہ میں بھی میں نے ان کو جزع و فزع کے بجائے اللہ کی طرف رجوع کرتے ہی دیکھا، غرض یہ کہ حدیث میں جس کو مرأۃِ صالحہ فرمایا گیا ہے۔ مرحومہ اسکی صحیح مصداق تھیں۔'' (۲۹)

مولانا اکبرآبادی کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ۱۴ جولائی ۱۹۸۰ء کو ہوا اور تدفین علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے قبرستان میں ہوئی۔ (۳۰) اس حادثے کے بارے میں مولانا نے ایک جگہ لکھا ہے کہ: ''یہ نیا حادثہ پیش آیا (۱۴ جولائی ۱۹۸۰ء) تو قطعاً یہ معلوم ہوا کہ میں ایک ریل میں سوار تھا اور ریل بڑے زور شور سے دندناتی اور بجلی کی طرح کوندتی چلی جارہی تھی کہ یک لخت ایک جھٹکا لگا

اور ٹرین پٹری سے اتر گئی۔رات اندھیری ہے اور جنگل سنسان، میری زبان سے بے ساختہ نکلا--اب کیا ہوگا!''(۳۱)

عملی زندگی کا آغاز:

مولانا سعید احمد اکبرآبادی ۱۹۲۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ڈابھیل منتقل ہو گئے۔ ڈابھیل میں واقع مدرسہ جامعہ اسلامیہ میں استاد مقرر ہوئے اور ۱۹۲۸ء ہی میں آپ کی شادی بھی ہوگئی۔اس طرح پہلی ملازمت اور شادی کے بعد اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں آپ کو حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور ان کی جماعت کی صحبت حاصل رہی۔مولانا ڈابھیل میں تین سالہ قیام کو اپنی تعلیم وتربیت کے لحاظ سے اپنی زندگی کا بہترین زمانہ قرار دیتے ہیں۔(۳۲)

مولانا فرماتے ہیں کہ:

''اگرچہ میں دیوبند کے شش سالہ قیام میں بھی درس وتدریس کے علاوہ اکابر اساتذہ کی معیت وصحبت کے فیض وشرف سے بازیاب رہا لیکن ڈابھیل کی بات ہی اور تھی۔ یہاں ایک عالیشان کوٹھی تھی۔جس کے مختلف کمروں میں حضرت شاہ صاحبؒ، مولانا سراج احمد رشیدیؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، یہ خاکسار ہم سب ایک جگہ رہتے تھے۔ چوبیس گھنٹے کا ساتھ کھانا پینا، نشست و برخاست، سب یکجا، اس لیے ان بزرگوں کو خلوت میں بھی اور جلوت میں بھی، ہر رنگ اور ہر شکل میں دیکھا اور اس سے مستفید ہوا۔اللہ اکبر، علم وعمل، صالح وتقویٰ اور امانت ودیانت کے کیسے پیکر تھے یہ لوگ! بعض اوقات خیال ہوتا تھا کہ صدیاں بیچ میں حائل ہوگئی ہیں۔ ورنہ یہی حضرات اگر عہد نبوت میں ہوتے تو ان میں کوئی عبداللہ بن عمرؓ ہوتا، کوئی عبداللہ بن عباسؓ اور کوئی عبداللہ بن مسعودؓ۔''(۳۳)

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے عصری تعلیم کے حصول کا بھی سلسلہ جاری رکھا۔۱۹۳۱ء میں آپ مدرسہ عالیہ فتح پوری (دہلی) چلے آئے اور بحیثیت مدرس ملازمت کے ساتھ ساتھ ۱۹۳۴ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے بی۔اے پرائیوٹ کرنے کے بعد سینٹ اسٹیفن کالج (دہلی) سے ۱۹۳۶ء میں ایم اے (عربی) کیا۔ پھر ایم اے (انگریزی) کرنے کے بعد ۱۹۴۰ء۔۴۱ میں اسی کالج میں عربی کے استاد مقرر ہوئے۔جب دہلی یونیورسٹی میں عربی، فارسی اور اُردو کا شعبہ شروع کیا گیا تو مولانا کو ان تینوں شعبوں کا صدر مقرر کیا گیا۔ یہاں آپ نے چھ سال تک تدریس کے فرائض انجام دیے۔اسی کالج میں جنرل ضیاء الحق (سابق صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان) آپ کے شاگرد تھے۔(۳۴)

۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند اور فسادات سے آپ کا گھرانہ بھی متاثر ہوا۔ چنانچہ آپ دہلی سے مرادآباد چلے گئے بعدازاں مولانا ابوالکلام آزاد(وزیر تعلیم ہند) کی تحریک پر کلکتہ میں مدرسہ عالیہ کے پرنسپل مقرر ہوئے۔تقسیم اور فسادات کی وجہ سے یہ مدرسہ بہت متاثر ہوا تھا اساتذہ اور طلبہ سب منتشر ہوگئے تھے۔آپ نے شبانہ روز محنت کے ساتھ مدرسہ کے تعلیمی نظام کو

نہ صرف بحال کیا بلکہ سخت محنت اور جدوجہد کے بعد اسے ملک کا ایک مایہ ناز تعلیمی ادارہ بنادیا۔(۳۵)

۱۹۵۹ء میں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر کرنل بشیر حسین زیدی نے آپ کو بذریعہ تحریر یونیورسٹی میں ''ریڈرشپ'' کی پیشکش کی جسے آپ نے قبول کرلیا اور مدرسہ عالیہ سے استعفیٰ دے کر علیگڑھ چلے آئے۔ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں آپ کو ''سنی دینیات'' کے شعبہ کا صدر اور ''فیکلٹی آف تھیالوجی'' کا ڈین مقرر کیا گیا۔ مولانا نے اپنی علمی لیاقت وصلاحیت سے شعبہ کو اس قدر ترقی دی کہ اس کا شمار یونیورسٹی کے ممتاز اور معیاری شعبوں میں ہونے لگا۔ اسی دوران ۱۹۶۲ء میں علیگڑھ یونیورسٹی سے تعلق کے دوران آپ کو میک گل یونیورسٹی کینیڈا میں انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز میں بحیثیت مہمان پروفیسر مدعو کیا گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ نے امریکہ، برطانیہ اور بعض اسلامی ممالک کا بھی دورہ کیا۔

۱۹۷۲ء میں علیگڑھ یونیورسٹی سے سبکدوشی کے بعد تغلق آباد میں ''ہمدرد'' کے ایک تحقیقی ادارے سے وابستہ ہوگئے۔ ۱۹۷۸ء میں کالی کٹ یونیورسٹی (مالابار) میں بطور وزیٹنگ پروفیسر کے خدمات سرانجام دیں۔ یہاں ایک سال قیام کے بعد دوبارہ علیگڑھ یونیورسٹی میں مہمان پروفیسر کی حیثیت سے بلایا گیا، جہاں ایک برس تک تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔

دارالعلوم دیوبند میں جب ''شیخ الہند اکادمی'' کا قیام عمل میں آیا تو انتظامیہ نے ۲۵ دسمبر ۱۹۸۲ء میں آپ کی دینی وعلمی صلاحیت اور دیوبند سے آپ کے دیرینہ تعلق کی وجہ سے اکادمی کا ڈائریکٹر مقرر کیا۔ آپ اپنی وفات یعنی ۲۴ مئی ۱۹۸۵ء تک اس کے ڈائریکٹر رہے۔(۳۶)

تصنیفی وتالیفی دور:

مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی پوری زندگی چونکہ درس وتدریس میں گزری ہے اسی لیے تصنیف وتالیف اور مطالعہ وتحقیق، آپ کی زندگی کا جزولاینفک تھا۔ چنانچہ تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مولانا اکبر آبادی نے ۱۹۳۸ء میں اپنے ہم عصر علماء اور اساتذہ کے ساتھ مل کر تصنیف وتالیف کا ایک ادارہ ''ندوۃ المصنفین'' دہلی میں قائم کیا اور اس کے زیر ادارت ایک ماہانہ دینی وعلمی جریدہ ''بُرہان'' کا بھی اجراء کیا۔(۳۷)

اس دوران آپ نے دینی، تاریخی، ادبی، تنقیدی، سیاسی اور صحافتی موضوعات پر تقریباً اٹھارہ کتابیں لکھیں۔ ان میں صدیق اکبرؓ، عثمانؓ ذوالنورین، غلامانِ اسلام، اسلام میں غلامی کی حقیقت، مولانا عبیداللہ سندھی اور انکے ناقد، مسلمانوں کا عروج وزوال، وحی الٰہی، فہم قرآن، خطبات اقبال پر ایک نظر، نفثۃ المصدور اور ہندوستان کی شرعی حیثیت شامل ہیں۔ اس کے علاوہ درجنوں تحقیقی مقالے بھی شامل ہیں۔ مولانا اکبرآبادی کو بچپن ہی سے مضمون نگاری کا شوق تھا اس لیے مختلف علمی، ادبی اور سیاسی جرائد میں مذہبی، اصلاحی، ادبی مضامین کے ساتھ ساتھ افسانے، نظمیں اور غزلیں بھی لکھتے رہے۔ جب ۱۹۳۸ء میں ندوۃ المصنفین قائم ہوا تو اس کے مستقل رکن اور ندوۃ المصنفین کے ماہنامہ مجلّہ بُرہان کے ایڈیٹر بھی مقرر ہوئے

تو بُرہان میں ''نظرات'' کے عنوان سے اداریئے کے علاوہ سینکڑوں مضامین بھی لکھے۔(۳۸)

مولانا اکبر آبادی ایک ممتاز و معروف اہلِ قلم کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کے بلند پایہ مقرر اور خطیب بھی تھے مولانا کی اس خصوصیت کے بارے میں مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن، مدیر معارف (اعظم گڑھ) ایک جگہ رقمطراز ہیں کہ:

''وہ برصغیر کے بڑے اچھے مقرروں میں شمار کیے جاتے تھے،تقریر کرتے وقت اپنی علمیت، زبان کی فصاحت،طرزِ ادا کی بلاغت اور خطابت کی پوری شان دکھاتے مگر اس میں الفاظ کی بھتات اور خطابت کا تصنع نہ ہوتا بلکہ ان کو سنتے وقت ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی اہلِ علم اپنی بصیرت سے اپنے سامعین کے ذہن میں ضیاء پاشی کر رہا ہے۔علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں فن خطابت سے وہاں کے اساتذہ اور طلبہ کو برابر متاثر رکھا۔وہ اُردو،عربی اور انگریزی تینوں زبانوں کے مقرر تھے۔حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی اس وقت دنیا کے بہترین خطیبوں اور مقرروں میں شمار کیے جاتے تھے لیکن مولانا اکبر آبادی جب کبھی دارالعلوم ندوۃ پہنچ جاتے تو ان کی تقریر کو سننے اور سنانے کے لیے ضرور کوئی مجلس منعقد کراتے۔وہ بولتے تو حضرت مولانا کے چہرے سے ظاہر ہوتا کہ وہ ان کی قوت گویائی سے متاثر ہو رہے ہیں اور تحسین بھری نظروں سے حاضرین کو بھی دعوت دے رہے ہیں کہ وہ بھی حظ اٹھائیں۔''(۳۹)

علمی اسفار:

مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی زندگی کا ایک بڑا حصہ سفر میں گزرا ہے۔لیکن ان اسفار کی غرض وغایت تعلیمی اور تدریسی تھی انہوں نے جنوبی افریقہ،امریکا،کینیڈا اور برطانیہ سمیت یورپی ممالک کے علاوہ سعودی عرب،مصر،ایران، جاپان اور پاکستان کا بھی دورہ کیا۔ان اسفار میں مولانا نے کئی عالمی کانفرنسوں میں شرکت کے ساتھ عالمی شہرت یافتہ جامعات اور تعلیمی اداروں میں بحیثیت مہمان پروفیسر لیکچرز دیئے۔ہندوستان کی کوئی اہم علمی کانفرنس مولانا اکبر آبادی کی شرکت کے بغیر ادھوری سمجھی جاتی تھی۔پاکستان میں بھی وہ کئی کانفرنسوں میں خصوصی دعوت پر مدعو کیے گئے۔۱۹۸۰ء میں پندرھویں صدی ہجری کے آغاز کی تقریبات میں حکومت پاکستان کی خصوصی دعوت پر تشریف لائے۔سابق صدر جنرل محمد ضیاء الحق کیونکہ مولانا کے شاگرد بھی تھے اس لیے انہیں سرکاری مہمان کا درجہ دیا گیا۔(۴۰)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا میلان ورجحان سیاست کی طرف بھی تھا۔اگرچہ انہوں نے عملی سیاست میں حصہ تو نہیں لیا لیکن سیاسی حالات اور نظریات پر ان کی گہری نظر تھی اور حسب موقع وضرورت وہ اپنا سیاسی کردار بھی ادا کرتے رہے۔مولانا کے ان ہی سیاسی رجحانات کی وجہ سے انہیں آل انڈیا مسلم کنونشن کا صدر بھی مقرر کیا گیا۔(۴۱)

مولانا کی دینی،علمی اور فکری خدمات کا مختلف مواقعوں پر قابل ذکر اداروں کی جانب سے اعتراف بھی کیا گیا۔اس ضمن میں جمہوریہ ہند کے صدر کی طرف سے عربی میں سند اعزاز عطا کیا گیا اور کلکتہ کی ایک ادبی انجمن نے بھی مولانا کو اعزازات سے نوازا۔(۴۲)

تصنیفی اسلوب:

مولانا اکبر آبادی تصنیفی اسلوب میں علامہ شبلی نعمانی سے متاثر تھے۔علامہ شبلی نعمانی نے ''الفاروق'' لکھی جو تاریخ و ادب کی دنیا میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔مولانا اکبر آبادی نے الفاروق کے رنگ میں ''صدیق اکبرؓ'' لکھی۔ان کی کتاب صدیقؓ اکبر برصغیر کے علمی حلقوں میں بہت مقبول ہوئی۔انتقال سے کچھ عرصہ پہلے ''عثمان ذوالنورینؓ'' لکھی۔ اس طرح انہیں خلفائے راشدین میں دو خلفاء کی سیرت نگاری کا شرف حاصل رہا۔(۴۳)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے مولانا اکبر آبادی کے طرز نگارش پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

''مولانا اکبر آبادی کو لکھنے کا بڑا سلیقہ تھا انہوں نے مولانا شبلی کے اسلوب سے زیادہ فائدہ اٹھایا اور ان کی تحریروں میں اسی کا رنگ جھلکتا ہے، جیسا کہ انہوں نے اپنے مضمون ''میری محسن کتابوں'' میں اس کا اظہار کیا۔ انہوں نے مولانا شبلی سے دینی مطالب کو ادا کرنے کا سلیقہ اور حوالہ دینے کا اعتماد سیکھا اور اس کے ساتھ جب ندوۃ المصنفین کا قیام عمل میں آیا تو وہ اس کے بہت بڑے مصنف تھے۔''(۴۴)

مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے بھی مولانا اکبر آبادی کے اسلوب کے بارے میں کم و بیش ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

''وہ ایک ممتاز اہلِ قلم کی حیثیت سے بھی مشہور ہوئے،ان کی زبانی بارہا سنا کہ وہ شروع سے مولانا شبلیؒ اور دارالمصنفین کی تصانیف سے متاثر رہے ہیں، دیوبند کی طالب علمی کے زمانے میں ان کے پاس ان کتابوں کو دیکھ کر وہاں کے طلبہ اور اساتذہ کو تعجب ہوتا تھا،اور یہ کہنے میں تامل نہیں کہ ان کی ذات اور ان کی تحریروں پر دبستان شبلی کا بڑا اثر رہا، جس کا ایک کھلا ہوا ثبوت یہ بھی ہے کہ جب دہلی میں مولانا حفظ الرحمٰن اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی نے مل کر ایک ادارہ قائم کیا اور اس کی تاسیس میں ان کی بھی شرکت ہوئی تو دارالمصنفین ہی کی تقلید میں اس کا نام ''ندوۃ المصنفین'' رکھا گیا اور پھر ان کی ادارت میں رسالہ ''بُرہان'' ندوۃ المصنفین سے نکلنا شروع ہوا تو اس میں معارف ہی کی طرح خاص خاص عنوانات رکھے گئے،ان کا بس چلتا تو ندوۃ المصنفین کو دارالمصنفین ہی کی طرح ایک علمی ادارہ بنا دیتے مگر بعض ناگزیر اسباب کی بناء پر یہ اشاعتی ادارہ بن کر رہ گیا، پھر بھی اس کی طرف سے اب تک جتنی کتابیں شائع ہوئی ہیں ان سے اُردو کے مذہبی اور تاریخی لٹریچر میں بڑا قابلِ قدر اضافہ ہوا ہے،مولانا کا رسالہ ''بُرہان'' اس کے لیے اس حیثیت سے مفید رہا کہ اس کی وجہ سے یہ علمی ادارہ ہی سمجھا جاتا رہا''۔(۴۵)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے زیادہ تر تاریخ اسلام کو موضوع بنایا، دینیات اور اسلامی تاریخ میں انہیں اختصاص کا درجہ حاصل تھا وہ مسلمانوں کے سامنے ان کے اسلاف کی خوبیاں اور خرابیاں بتا کر ان کو صراطِ مستقیم پر لانا چاہتے تھے۔مولانا اکبر آبادی نے اپنے علم و حکمت اور قلم و زبان سے عام مسلمانوں اور ملک و ملّت کو بھی فائدہ پہنچایا۔ملّت کا کوئی ایسا مسئلہ

نہیں تھا جس پر مولانا نے قلم نہ اُٹھایا ہو، وہ مصنف ہی نہیں بلکہ مفکر بھی تھے۔ وقت کے مہتم بالشان مسائل و معاملات پر برُہان میں ''نظرات'' کے عنوان سے فکر انگیز اداریے لکھتے رہے، مولانا کی تحریروں کا مقصد مسلمانوں کی سیاسی، سماجی، علمی اور تمدنی پستی کا علاج و حل پیش کرنا تھا۔ مولانا نے مسلمانوں کی زندگی کے تمام شعبہ ہائے حیات بالخصوص مذہب، معاشیات، تعلیم، سیاست اور سماجیات کو موضوع سخن بنایا اور اپنے قلم سے مسلمانوں کی گرتی ہوئی حالت کو سنوارنے اور ترقی کی جانب گامزن کرنے کی کوشش کی۔ مولانا اکبر آبادی کا تصنیفی سرمایہ تاریخ و سوانحی ادب میں ایک ممتاز مقام کا حامل ہے۔(۴۶)

مولانا اکبر آبادی کی شخصیت پر قدیم وجدید تعلیم کے اثرات:

آپ قدیم و جدید دونوں قسم کی درسگاہوں سے فیضیاب ہوئے تھے اور دونوں ہی میں تدریسی خدمات سرانجام دیں، مولانا نے جہاں علامہ انور شاہ کشمیریؒ جیسے یکتائے زمانہ عالم دین سے قرآن و حدیث اور عربی زبان و ادب سیکھا وہیں دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ ماہر سر مارس گویر، وائس چانسلر (دہلی یونیورسٹی) کی قیادت میں سینٹ اسٹیفن کالج دہلی میں تدریسی فرائض سرانجام دیے، اس لیے مولانا کی ذات و شخصیت قدیم و جدید علوم و افکار کا حسین امتزاج تھی۔ آپ قدیم علوم کے ساتھ ساتھ علوم جدیدہ پر بھی گہری نظر رکھتے تھے اور دونوں کے تقاضوں سے باخبر تھے۔ آپ نے زندگی کو کنویں کے اندر سے نہیں بلکہ کائنات کی وسعتوں میں رہ کر دیکھا۔(۴۷)

مولانا کی علمی وابستگی اگر ایک طرف دارالعلوم دیوبند سے تھی تو دوسری طرف ان کا تعلق جدید علمی مراکز اور خاص طور پر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے بھی رہا۔ مولانا دونوں نظامِ تعلیم کا اشتراک چاہتے تھے اور وہ خود اس اشتراک کا بہترین نمونہ تھے، مولانا دیوبند سے دینی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود علیگڑھ تحریک اور اس کے بانی سر سید احمد خان کی انقلابی شخصیت سے بھی متاثر تھے ان کی رائے تھی کہ دیوبند اور علیگڑھ کی تحریکیں مل کر ایشیائی مسلمانوں کی تعمیرِ جدید کو یقینی بنائیں، انہوں نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ:

> ''سر سید اور مولانا قاسم نانوتوی کے عہد میں اور ان کے بعد مسلمانوں میں متعدد مفید اور عہد آفریں مذہبی اور غیر مذہبی تحریکیں پیدا ہوئیں، لیکن غور کیجیے تو ان سب کا منبع اور سرچشمہ دیوبند اور علیگڑھ کی تحریک ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ دونوں تحریکیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ اپنے اپنے ڈگر پر چلتی رہیں، اس لیے اس صورتحال سے نقصان بھی کچھ کم نہیں پہنچا۔ اگر دونوں ایک ساتھ دوش بدوش ہو کر چلتیں تو آج پورے عالمِ اسلام میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کا مشکل ہی سے کوئی جواب ہوسکتا تھا''۔(۴۸)

مولانا اکبر آبادی کے ان ہی افکار و نظریات کی وجہ سے ان کا شمار جیّد علماء میں ہوتا ہے جو ہمیشہ نئی باتوں کو اپناتے اور نئی قدروں کا احترام کرتے تھے، اس لیے ہر حلقہ انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا خواہ اس کا تعلق کسی بھی سیاسی و دینی مسلک سے کیوں نہ ہو۔

مذہبی تنگ نظری اور تعصب انہیں چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔ دارالعلوم دیوبند سے تعلق اور حنفی العقیدہ مسلک کے حامل ہونے کے باوجود اس مسلک کے دوسرے علماء سے قطعی مختلف تھے، بوقت ضرورت خود اپنے دینی مسلک پر تنقید کرتے یا اس سے اختلاف کرنے سے بھی نہ چونکتے تھے۔

مولانا اکبر آبادی کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ دورِ جدید کے تقاضوں کو اچھی طرح سمجھ کر اسلامی تعلیمات کو اس کے مطابق ڈھالنے کے قائل تھے ان کا یہ بھی خیال تھا کہ علماء کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک قدامت پسند، دوسری ترقی پسند، اور تیسری آزاد خیال، مولانا کا شمار ترقی پسند علمائے کرام میں ہوتا تھا وہ اجتہاد کو دورِ حاضر کی ضروریات سمجھتے تھے۔ اُن میں نئے حالات کے مطابق دین کے لیے نئی راہیں پیدا کرنے کا احساس وشعور اور مجتہدانہ بصیرت موجود تھی، اس خوبی نے انہیں اہلِ علم کے حلقوں میں مقبول بنا دیا تھا۔(۴۹)

علالت اور وفات:

مولانا اکبر آبادی کو پے در پے صدمات نے نڈھال اور غمزدہ کر دیا تھا۔ والدین کی وفات کے بعد شریکِ حیات کی موت کا غم ان کے لیے سوہانِ روح بن گیا ان کی شخصیت اندر سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی وہ اپنی اہلیہ کی وفات پر غمزدہ رہتے تھے، مئی ۱۹۸۴ء میں اپنے دیرینہ رفیق اور ساتھی حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کی وفات کا صدمہ سانحہ سے کم نہ تھا کہ مفتی صاحب کے انتقال کے دو ماہ بعد ہی بڑے بیٹے عمر سعید داغِ مفارقت دے گئے۔ بڑے بیٹے کی جدائی کے صدمے سے ابھی دوچار ہی تھے کہ ایک صبح چہل قدمی کے دوران کتے نے کاٹ لیا۔ پیٹ میں انجکشن لگے جس سے پیٹ میں سرایت ہو گئی، سرایت کی دواؤں سے جگر متاثر ہو گیا، علیگڑھ یونیورسٹی کے ہسپتال میں کافی عرصہ تک زیرِ علاج رہے لیکن افاقہ نہ ہوا اور کمزوری بڑھتی گئی۔ مولانا کی تشویشناک علالت کی خبر سے گھبرا کر ان کی بیٹی مسعودہ سعید اپنے شفیق باپ کی محبت میں کراچی سے علیگڑھ گئیں اور علاج کے لیے چند روز بعد ہی اپنے ہمراہ کراچی لے آئیں، ماہر ڈاکٹروں کے بورڈ نے مولانا کا معائنہ کرنے کے بعد جگر کا سرطان تشخیص کیا لیکن کمزوری کے باعث آپریشن نہ ہو سکتا تھا۔ مولانا اپنی علالت اور کمزوری کے باوجود اپنے داماد ابوالمحمود سعید کے ساتھ باہر نکلتے، چہل قدمی کرتے یہ سلسلہ دو ماہ تک چلتا رہا، اب ایلوپیتھی کے بجائے ہومیوپیتھی علاج بھی شروع کر دیا گیا تھا، ایک روز معروف طبیب حکیم محمد سعید نے گھر آ کر معائنہ کیا، رپورٹس دیکھیں اور مولانا کو بتایا کہ انہیں سرطان کا مرض لاحق ہے جس کے بعد انہوں نے ہمت ہار دی گھر سے باہر نکلنا بند کر دیا بستر پر پڑے پڑے کمزوری اس حد تک بڑھی کہ مولانا ہڈیوں کا ڈھانچا بن کر رہ گئے تھے۔ آخر کار طویل علالت کے بعد ۲۴/ مئی ۱۹۸۵ء کو افطار سے ذرا قبل وضو کے لیے غسل خانے گئے اور وہیں سے مولانا نے اپنے داماد (ابوالمحمود سعید) جنہیں وہ پیار سے ''مونا'' کہتے تھے پوری قوت سے آواز دی وہ فوراً دوڑے، دیکھا کہ مولانا دیوار سے سر ٹکائے بیٹھے ہیں، فوراً بستر پر لا کر لٹایا لیکن دو تین سانسوں کے بعد ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ۲۵ / مئی کو نمازِ ظہر میں آپ کی نمازِ جنازہ مسجد لالہ

زار، مولوی تمیز الدین روڈ پر ادا کی گئی جس میں علمائے کرام، اہلِ علم اور عمائدین سندھ نے بڑی تعداد میں شرکت کی، مولانا کی تدفین دارالعلوم کورنگی میں حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی کے ذاتی احاطہ قبور میں ہی ان کے قریب کی گئی۔(۵۰) مولانا نے زندگی بھی علماء وفقہا کے ساتھ بسر کی، اور آخری ابدی زندگی میں بھی علماء وصلحاء کی صحبت نصیب ہوئی۔ مولانا کی وفات کی خبر پاک و ہند کے دینی اور علمی حلقوں میں رنج وغم کے ساتھ سنی گئی، اخبارات وجرائد نے مولانا کی وفات حسرتِ آیات اور دینی وعلمی خدمات پر اداریے لکھے۔

اولاد:

مولانا سعید احمد اکبر آبادی اپنے والد کے برعکس کثیر العیال تھے وہ خود تو ایک بھائی بہن تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں پانچ بیٹوں اور پانچ بیٹیوں سے نوازا تھا(۵۱) مولانا کی لائق اور صالح اولاد ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی انہوں نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی تعلیم وتربیت پر پوری پوری توجہ دی اور انہیں علم کے زیور سے آراستہ کر کے ان کی شادی بیاہ کے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دے کر اپنا دینی فریضہ پورا کیا۔

مراجع وحواشی

(۱) مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے انتقال کو تقریباً ۲۳ سال کا عرصہ گزر چکا ہے، جون ۱۹۸۶ء میں ان کی صاحبزادی محترمہ مسعودہ سعید صاحبہ نے مولانا کے انتقال کی برسی کے موقع پر ایک مختصر سیمینار کا اہتمام کیا تھا مگر اس سیمینار کی روداد کو محفوظ نہ کیا جاسکا۔ تاہم ۲۸-۲۹ اگست ۲۰۰۳ء میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے شعبہ سنی دینیات کے زیر اہتمام ایک دوروزہ سیمینار کا اہتمام کیا گیا اس سیمینار کے محرک تو شعبہ کے صدر نشین ڈاکٹر نسیم منصور تھے، لیکن سیمینار کے روحِ رواں ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی تھے۔ اس سیمینار میں مولانا کی سیرت و شخصیت اور علمی خدمات کے حوالے سے کم وبیش پچیس مقالے پیش کیے گئے۔ ڈاکٹر قاسمی نے ان مقالات کو ''مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ احوال وآثار'' کے نام سے مرتب کر کے تین سال قبل ۲۰۰۵ء میں شائع کیا۔ مولانا اکبر آبادی کی حیات اور خدمات کے حوالے سے پنجاب یونیورسٹی میں ایم۔اے کی سطح کے دو تحقیقی مقالے لکھے گئے پہلا مقالہ ڈاکٹر عبید اللہ خان (معلّم شعبہ اردو) کے زیرنگرانی ۱۹۸۶ء میں لکھا گیا۔ جبکہ دوسرا مقالہ ۱۹۸۹ء میں جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب (صدر شعبہ تاریخ) کی زیرنگرانی میں لکھا گیا۔ دوسرے مقالے کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے نگراں پروفیسر محمد اسلم (صدر شعبہ تاریخ) مولانا کے داماد تھے اور مولانا کے بہت ہی قریب تھے۔ اس کے علاوہ ہماری نظروں سے کوئی اور قابل ذکر کام اب تک نہیں گزرا ہے۔

(۲) شعبہ اسلامی تاریخ جامعہ کراچی کے تحت مولانا اکبر آبادی کی حیات وخدمات کے حوالہ سے مولانا کی ادارت میں شائع ہونے والے علمی جریدے ''برُہان'' کا اشاریہ زیر ترتیب ہے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی حیات وافکار پر پی۔ ایچ۔ ڈی مقالہ کے علاوہ مولانا کی مطبوعہ تحریروں کو موضوعاتی اعتبار سے مرتب ومدون کر کے شائع کرانے کا بھی اہتمام کیا جارہا ہے۔

(۳) مولانا اکبر آبادی کے خاندانی پس منظر کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتی ہیں۔ یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ مولانا کے آباؤ اجداد کون تھے کب اور کہاں سے آئے اور ہندوستان میں کب آباد ہوئے۔ خود مولانا اکبر آبادی نے اپنے خاندان سے متعلق جو تحریریں چھوڑی ہیں اس میں ان کے والد، والدہ اور اپنی پیدائش کا تذکرہ کیا ہے۔

(۴) پروفیسر محمد اسلم، شعبہ تاریخ جامعہ پنجاب کے سابق صدر نشین اور مولانا اکبرآبادی کے داماد تھے۔ پروفیسر اسلم نے اپنے زیرنگرانی ایم۔ اے کے مقالے کی تیاری کے دوران اس بات کا انکشاف کیا تھا۔ (ناہید، عذرا، ''مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ بحیثیت مؤرخ''، غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم۔اے، زیرنگرانی پروفیسر محمد اسلم، لاہور: جامعہ پنجاب، ص۳)

(۵) ''بچھرایوں'' ضلع مرادآباد کا ایک قصبہ ہے۔ مرادآباد کے قصبات بڑے مردم خیز تھے۔ پروفیسر محمد طاہر فاروقی، حامد حسن قادری، عبدالباسط بچھرایونی جیسے عالم وفاضل بچھرایوں سے تعلق رکھتے تھے۔

(۶) ڈاکٹر ابرار حسین ذاتی زندگی میں نہایت دیندار انسان تھے۔ نماز باجماعت، روزہ اور اوراد وظائف کے سخت پابند تھے تہجد اور اشراق تک کی نمازیں پابندی سے پڑھتے تھے۔ عید قربان کے موقع پر کئی کئی بکروں کی قربانی کرتے۔ صدقہ وخیرات بڑی فیاضی سے کرتے۔ خود بھی حج کیا اور اپنی بیوی اور اولاد (مولانا اکبرآبادی) کو بھی حج کرایا۔ حضور اکرمؐ اور اہل مدینہ کے ساتھ بڑی عقیدت ومحبت تھی۔ اہل مدینہ کے لیے ہر سال کچھ رقم بھیجا کرتے تھے۔ خود بہت سادہ درویش صفت اور فقیر منش انسان تھے مگر مہمان نوازی، کنبہ پروری اور غریبوں کی مدد ان کا شعار تھا۔ تصوف کا بھی خاصہ ذوق وشوق تھا اور اس فن کے مسائل پر عالمانہ گفتگو کرتے تھے۔ بحیثیت ڈاکٹر اپنے فن میں نہایت کامیاب اور دور دور تک مشہور تھے قدرت نے دستِ شفا عطا فرمایا تھا۔ نبض دیکھتے ہی مرض کی پوری کیفیت فوراً معلوم کر لیتے تھے اور مریض کے بتائے بغیر سب حالات وعوارض بیان کر دیتے تھے۔ ڈاکٹر ابرار حسین نے طب کی تعلیم کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کی۔ ابتدائی ایّام میں منگلور، ہردوئی، جھانسی، اور اعظم گڑھ میں پریکٹس کی، آخر میں آگرہ کی لوہا منڈی کے شفاخانے میں پچیس برس ملازمت کرنے کے بعد یہیں سے ۱۹۲۵ء میں ریٹائر ہوگئے دوران ملازمت سرکاری تنخواہ کے علاوہ نجی پریکٹس بھی کرتے تھے، جس سے ماہانہ ہزار ڈیڑھ ہزار آمدنی ہوجاتی تھی۔ ان کے دوست احباب میں سرکاری افسران، انگریزی تعلیم یافتہ یا شہر کے ہندو مسلمان امراء ورؤسا تھے۔ منگلور میں ملازمت کے دوران علماء دیوبند سے خصوصی مراسم پیدا ہوئے۔ قاضی عبدالغنی منگلوری سے بیعت یافتہ تھے، دیوبند کے نام کے عاشق تھے بالخصوص حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سے بے حد محبت تھی۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، حضرت میاں اصغر حسین، مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم اور مولانا سید انور شاہ کشمیری مرحوم سے گہرے مراسم تھے۔ (اکبرآبادی، سعید احمد، اگست ۱۹۵۲ء، ''نظرات'' مشمولہ: برُہان، دہلی: ندوۃ المصنفین، جلد بست ونہم، شمارہ۲، ص ۶۸

(۷) ایضاً، ''وفیات (اختری بیگم)''، مشمولہ: برُہان، جلد ۸۵، شمارہ ۳، ص ۶۴، دہلی: ندوۃ المصنفین، ستمبر ۱۹۸۰ء

(۸) ''سیوہارہ'' ضلع بجنور میں مرادآباد سے لکھنؤ جانے والی مین ریلوے لائن پر واقع ہے۔ یہ مسلمانوں کی قدیم بستی ہے۔ یہاں بڑے بڑے عالم وفاضل اور شاعر پیدا ہوئے، مشہور شاعر نہال سیوہاروی اور مشہور عالم وناظم جمعیۃ العلماء ہند اور رفیق ندوۃ المصنفین مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی بھی اسی قصبہ سے تعلق رکھتے تھے۔ (مولانا محمد حفظ الرحمٰن مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے ماموں زاد بھائی تھے)

(۹) مولانا اکبرآبادی کے نانا کی پانچ بیٹیوں کے نام یہ تھے (۱) حشمت النساء (۲) زینب (۳) اُم کلثوم (۴) مہر النساء (۵) شمس النساء اور دو بیٹے (۱) ظہور الحسن (۲) نور الحسن تھے، مولانا کی والدہ شمس النساء سب سے چھوٹی تھیں مگر گھر میں سب انہیں ''بوا'' کہہ کر پکارتے تھے۔ (یہ باتیں مولانا اکبرآبادی کی بیٹی مسعودہ سعید صاحبہ نے اپریل ۲۰۰۸ء میں اپنی ایک ٹیلی فونک گفتگو میں بتائی)۔

(۱۰) اکبرآبادی، سعید احمد، ''وفیات (اختری بیگم)''، محولہ بالا، ص ۶۴

(۱۱) مولانا کی پیدائش کا سال (۱۹۰۸ء) اس لحاظ سے نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ پیدائش سے دو سال قبل مسلم لیگ کے قیام کا تاریخ ساز واقعہ پیش آیا تھا جو ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ میں نئے موڑ کی شروعات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ''مسلم لیگ کا قیام ایک ایسے وقت عمل میں آیا جب تقسیم بنگال پر ہندوؤں اور کانگریس کے شدید ردعمل نے مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ان کی خود ایک سیاسی جماعت ہونی چاہیے جو مسلم مفادات کا تحفظ کرے اور تمام اہم موقعوں پر ملّت کی جانب سے اظہار خیال کرتی رہے، شملہ کے وفد نے

متحدہ عمل کی قوت کا مظاہرہ کر کے اس بات کو اور زیادہ مستحکم کر دیا۔ چنانچہ اس عزم پر عمل کرنے کے لیے مسلم رہنما ۱۹۰۶ء میں ڈھا کہ کے مقام پر جمع ہوئے، نواب ڈھا کہ نے یہ قرارداد پیش کی کہ ایک مسلم جماعت آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے قائم کی جائے۔ نواب وقار الملک نے مسلم لیگ کے مقاصد متعین کیے۔ ان میں مسلمانانِ ہند میں برطانوی حکومت کے لیے وفاداری اور خیر سگالی کے جذبات کو فروغ دینا، مسلمانوں کے باہمی حقوق اور مفادات کا تحفظ کرنا اور حکومت کو ان سے آگاہ کرتے رہنا اور مسلم لیگ کے ان مقاصد کو نقصان پہنچائے بغیر مسلمانانِ ہند میں دیگر ملّتوں سے تعاون کرنا شامل تھا۔ مسلم لیگ کے قیام سے یہ بات واضح ہوگئی کہ برصغیر کے مسلمانوں میں سیاسی بیداری کا آغاز ہو چکا ہے یہ آل انڈیا مسلم لیگ کی کوششوں کا ہی نتیجہ تھا کہ ۱۹۰۹ء میں نئی اصلاحات کے تحت مسلمانوں کے جداگانہ حق رائے دہندگی کو تسلیم کیا گیا جو مسلم لیگ کی ایک بڑی کامیابی تھی مسلمانوں نے اسی سیاسی پلیٹ فارم پر متحد ہو کر آگے جا کر برطانوی سامراج کی غلامی سے آزادی حاصل کی اور دو قومی نظریے کی بنیاد پر ایک اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔'' گویا جب پاکستان کا قیام (۱۹۴۷ء) عمل میں آیا تو مولانا کی عمر ۳۹ برس تھی۔ اس طرح برطانوی استعمار کے خلاف مسلمانانِ برصغیر کی تاریخ ساز جدوجہد اور اس کے تمام نشیب و فراز مولانا اکبر آبادی کی نظروں کے سامنے گزرے اور اس تحریک نے مولانا کی شخصیت پر یقیناً گہرے اثرات مرتب کیے ہونگے۔ (قریشی، اشتیاق حسین ۱۹۹۹ء، ''جدوجہد پاکستان'' مترجم: ہلال احمد زبیری، کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، ص ۴۰، ۴۱)

(۱۲) مولانا کی تاریخ پیدائش کے بارے میں کافی ابہام پایا جاتا ہے، مولانا نے بُرہان میں اپنی تاریخ پیدائش ۷ رمضان المبارک اور صبح صادق کا وقت تحریر فرمایا ہے۔ لیکن ہجری سال نہیں لکھا جبکہ روزنامہ جسارت کراچی میں ۳۰ ستمبر ۱۹۸۱ء کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے مولانا نے اپنی تاریخ پیدائش نومبر ۱۹۰۸ء بتائی ہے۔ اس بیان کے مطابق نومبر ۱۹۰۸ء میں اسلامی رہجری مہینہ شوال اور سن ۱۳۲۶ ہجری بنتا ہے جو مولانا کی بتائی ہوئی اسلامی تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتی ہے جبکہ جناب مسعود انور علوی کاکوروی نے اپنے ایک مقالے ''میرے مولانا اکبر آبادی... کچھ باتیں کچھ یادیں'' جولائی ۱۹۸۷ء میں ماہنامہ بُرہان میں لکھا کہ مولانا کی پیدائش ۸ نومبر ۱۹۰۸ء میں ہوئی، یہ تاریخ بھی ہجری تقویم کے لحاظ سے ۱۳ شوال ۱۳۲۶ ہجری ہے جو آپ کی بتائی ہوئی تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتی۔ تاہم ان بیانات کی روشنی میں مولانا کی تاریخ پیدائش نومبر ۱۹۰۸ء کو درست تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱۳) اکبر آبادی، سعید احمد، ''مفتی صاحب کی کہانی میری زبانی''، مشمولہ: بُرہان، جلد ۹۳، شمارہ ۲، ص ۱۲، دہلی: ندوۃ المصنفین، اگست ۱۹۸۴ء

(۱۴) مولانا اکبر آبادی کے والد ڈاکٹر ابرار حسین کی شادی کے بعد ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام انوار الحسن رکھا گیا۔ لیکن پیدائش کے صرف تین سال بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ اسی زمانے میں ایک بیٹی پیدا ہوئی لیکن وہ بھی دس برس کی عمر میں طاعون کے وبائی مرض میں مبتلا رہنے کے بعد انتقال کر گئی، بیٹی کا نام قمر النساء تھا۔ اس حادثے کا مولانا کے والدین پر گہرا اثر ہوا اور آپ کے والد ڈاکٹر ابرار حسین نے حجاز المقدس ہجرت کا فیصلہ کر لیا تھا جب انہوں نے اپنے پیر و مرشد شاہ عبدالغنی منگلوریؒ کو اپنے ارادے سے مطلع کیا اور اجازت طلب کی تو انہوں نے جانے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ جلد بازی نہ کرو خدا تم کو ایک فرزند سلیم عطا کرے گا۔ چنانچہ بہن کے انتقال کے سترہ برس بعد مولانا اکبر آبادی دنیا میں تشریف لائے چونکہ بہن کا انتقال دس برس کی عمر میں ہو چکا تھا اس لیے ستائیس برس تک کوئی ولادت نہ ہونے کے بعد پیدا ہوئے، آپ کی پیدائش پر آپ کے والدین کو بے حد مسرّت ہوئی مولانا کی والدہ محترمہ شمس النساء نے بیٹا ہونے پر منت مانی ''الٰہ العالمین! تو نے مجھے بیٹا دیا ہے جب تک اس کو حج نہیں کرالونگی اس کی شادی نہیں کروں گی۔'' والدہ نے اپنی منت پوری کی اور حج کی ادائیگی کے بعد مولانا کی شادی ہوئی۔ (ایضاً ص ۱۱، ۱۲؛ ''نظرات'' دسمبر ۱۹۴۳ء، محولہ بالا، جلد یازدھم، شمارہ ۶، ص ۲۰۴)

(۱۵) مولانا اکبر آبادی کی ولادت پر عقیقہ کی تقریب خوشی کے طور پر اس دھوم دھام اور طمطراق سے منائی گئی کہ کئی روز تک ہندو اور مسلمانوں میں اس کا چرچا رہا اور یہ آپ کے بچپن کی ایک یادگار تقریب بن گئی۔ (مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے ہاتھ کی ایک غیر مطبوعہ تحریر جو ان کی زندگی کے

ابتدائی حالات پر مشتمل ہے،اس میں مولانا نے اس بات کا تذکرہ کیا جو مولانا کی بیٹی محترمہ مسعودہ سعید سے ایک ملاقات میں حاصل کی گئی)۔

(۱۶) ناہید،عذرا،محولہ بالا،ص۱۲

(۱۷) مولانا اکبر آبادی چونکہ اکلوتے بیٹے تھے اور والدین کو آپ سے بہت زیادہ پیار تھا،اس لیے ان کی ہر خواہش پوری کرتے تھے بچپن میں آپ کو پتنگ اڑانے کا شوق تھا ان کے والد بہترین ڈور منگوا کر دیا کرتے تھے۔مولانا اکبر آبادی کو بچپن میں پرندوں سے بڑی محبت تھی۔خاص طور پر انہیں کوّے بہت پسند تھے وہ اپنے اس شوق کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

''مجھے بچپن میں کوّے بڑے اچھے لگتے تھے اور جب یہ کوٹھے کی منڈیروں پر بیٹھ کر کائیں کائیں کرتے تو مجھے بڑے بھلے لگتے تھے اور میرا دل ان کو پکڑنے کے لیے مچلتا۔'' مولانا اکبر آبادی نے اپنے بچپن کے یہ شوق اور واقعات اپنے داماد محمد اسلم مرحوم کو سنائے تھے۔(ایضاً،ص۱۴)

(۱۸) مولانا اکبر آبادی کی ابتدائی تعلیم وتربیت پر آپ کے والد ڈاکٹر ابرار حسین نے خصوصی توجہ دیتے ہوئے نامور اور ماہر اساتذہ کا بندوبست کیا تھا،ان کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ عربی کی تعلیم کے لیے مولانا کے والد ڈاکٹر ابرار حسین نے دیوبند کے مفتی مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی سے خصوصی درخواست کی تھی۔مولانا عثمانی نے مولانا خورشید علی کو جو دیوبند کے فاضل اور دارالافتاء سے وابستہ اور مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کے خلیفہ مولانا عبدالکریم سے بیعت یافتہ تھے،کا تقرر کیا۔مولانا خورشید علی دیوبند سے آگرہ آکر مولانا کے مکان واقع (لوہا منڈی) کے قریب ایک مکان کرائے پر لے کر بمعہ متعلقین کے رہنے لگے۔مولوی خورشید علی نے ایک استاد اور اتالیق کی حیثیت سے مولانا اکبر آبادی کی عربی تعلیم اور تربیت کا فریضہ کماحقہٗ،سرانجام دیا۔صبح چار گھنٹے عربی اور اس کے متعلقات کی تعلیم دیتے۔دونوں وقت کا کھانا آپ ہی کے ساتھ کھاتے،مسجد میں بھی اپنے ساتھ لے جاتے اور صبح وشام ہوا خوری بھی کرتے تھے۔مولوی خورشید علی کو تصوف سے بھی لگاؤ تھا مثنوی روم کے عاشق تھے اس لیے اکثر آپ کو بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کے قصے سناتے اور قرآن مجید کی حکمتیں بیان کرتے رہتے تھے اس کا یہ فائدہ ہوا کہ دین کی عظمت اور بزرگانِ دین کی محبت بچپن ہی سے آپ کے دل میں بیٹھ گئی اور اتالیق رکھنے سے آپ کے والد کا جو مقصد تھا وہ بھی یہی تھا آپ کی عربی تعلیم کافیہ تک ہوئی تھی کہ مولوی خورشید علی چلے گئے تو ان کی جگہ دیوبند سے مولانا غلام نور صاحب تشریف لائے اور انہوں نے نو دس ماہ تک صرف ونحو کی تعلیم دی اور کافیہ اور قدوری کی تعلیم مکمل کرائی۔(اکبر آبادی،سعید احمد،اگست ۱۹۸۴ء''مفتی صاحب کی کہانی میری زبانی''محولہ بالا،جلد ۹۳،شمارہ ۲،ص ۱۳،۱۴

(۱۹) مراد آباد کا یہ مدرسہ''جامعہ قاسمیہ''کے نام سے موسوم ہے جو مراد آباد کی شاہی مسجد میں قائم ہے۔اس مدرسہ کو یہاں کے غریب مسلمانوں نے حسبِ ایما حضرت نانوتوی کے جاری کیا تھا۔دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور میں جو دینی مدارس جاری ہوئے ان میں مظاہر العلوم سہارنپور کو چھوڑ کر جامعہ قاسمیہ نے سب سے زیادہ ترقی کی۔اس مدرسہ کو اپنی عمدہ تعلیم کے باعث دینی مدارس میں بڑی شہرت حاصل رہی ہے۔اس میں جامعہ قاسمیہ کی انتظامی مساعی اور حضرت مولانا سید فخر الدین صدر المدرسین کے درسِ حدیث کی عظیم تعلیمی خدمات کا بھی بڑا حصہ ہے۔(رضوی،سید محبوب،۲۰۰۵ء''تاریخ دارالعلوم دیوبند''،جلد اوّل،کراچی:ادارہ اسلامیات،ص۱۵۴)

(۲۰) دیوبند اتر پردیش کے ضلع سہارنپور کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے لیکن اس کی وجہ شہرت اسلامی علوم ومعارف کی عظیم درس گاہ دارالعلوم کے باعث ہے جس کی بنیاد مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے ہم خیال رفقاء خاص حضرت مولانا ذوالفقار علی،حضرت مولانا فضل الرحمٰن اور حضرت حاجی محمد عابد نے ۱۵محرم الحرام ۱۲۸۳ہجری مطابق ۳۰مئی ۱۸۶۶ء جمعرات کے دن قصبہ دیوبند کے مغربی جانب مسجد کے کھلے صحن میں انار کے ایک چھوٹے سے درخت کے نیچے رکھی تھی۔اس مدرسہ نے بے سروسامانی کی حالت میں کام کا آغاز کیا اور حیرت انگیز رفتار سے ترقی کا سفر شروع کیا۔''مدرسہ اسلامی عربی''کے نام سے شروع ہونے والا یہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے نام سے دنیا بھر میں اپنی نوعیت کا سب سے بڑا اسلامی علوم کا مرکز ہے اس کے قیام کا بنیادی مقصد مسلمانوں کی دینی اور مذہبی حیثیت کا تحفظ وبقا اور فرنگی تہذیب وتمدن سے بچانا تھا۔مولانا سعید احمد اکبر آبادی اسی عظیم والشان علمی وتہذیبی ادارے کے فارغ التحصیل تھے۔(اسحٰق،محمد

قمر،۱۹۹۶ء''ہندوستان کے اہم مدارس ایک سروے رپورٹ'' جلداوّل، دہلی: انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز،ص ۱۳۶، ۱۳۷)

(۲۱) اس بات کا تذکرہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اپنی ایک غیر مطبوعہ تحریر، جوان کے زندگی کے ابتدائی حالات پر مشتمل ہے،اس میں کیا ہے جومولانا کی بیٹی محترمہ مسعودہ سعید صاحبہ سے ایک ملاقات میں حاصل کی گئی۔

(۲۲) اکبر آبادی، سعید احمد، نومبر۱۹۸۴ء''مفتی صاحب کی کہانی میری زبانی'' محولہ بالا، جلد۹۳، شمارہ۵،ص ۱۰

(۲۳) ایضاً، جون۱۹۸۰ء''نظرات'' محولہ بالا، جلد۸۴، شمارہ۶،ص ۲،۳

(۲۴) ایضاً، اگست ۱۹۷۷ء، جلد۷۹، شمارہ نمبر۲،ص ۶۸

(۲۵) مولانا اکبر آبادی کے اساتذہ کے تفصیلی کوائف اور حالات زندگی کے لیے ملاحظہ کیجئے:

قاسمی، حبیب الرحمٰن، فروری ۱۹۸۰ء''علمائے دیوبند اور علم حدیث-محدّثِ عصر علاّمہ مولانا محمد انورشاہ الکشمیریؒ'' برُہان دہلی: ندوۃ المصنفین، جلد۸۴، شمارہ۲،ص ۴۰، ۴۱، ۴۲؛ اکبر آبادی، سعید احمد، جنوری ۱۹۵۹ء''نظرات'' محولہ بالا، جلد بست و چہارم، شمارہ۲،ص ۳، ۵، ۶؛ اپریل ۱۹۵۵ء، جلد۳۴، شمارہ۴،ص ۱۹۵، ۱۹۶؛ دسمبر ۱۹۵۷ء، جلد۳۹، شمارہ۶،ص ۳۲۲، ۳۲۳

(۲۶) اختری بیگم کی والدہ، انوری بیگم ڈاکٹر ابرار حسین کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ان کی شادی مراد آباد سے سید اشفاق علی سے ہوئی اوران سے ایک لڑکا سید عاشق علی اور ایک لڑکی اختری بیگم پیدا ہوئیں۔اختری بیگم ابھی تین سال کی ہی تھیں کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا چنانچہ ڈاکٹر ابرار حسین اپنی بیوہ بہن کو اپنے گھر لے آئے اس طرح انوری بیگم اپنے دونوں بچوں عاشق علی اور اختری بیگم کے ساتھ ڈاکٹر ابرار حسین کے گھر رہنے لگیں۔اختری بیگم بچپن سے بڑی سرخ وسپید، خوبصورت اور تندرست وتوانا تھیں اور مولانا اکبر آبادی کو یہ چینی گڑیا بچپن ہی سے اچھی لگتی تھیں اس طرح اختری بیگم اور مولانا سعید احمد کی پرورش اور نشو ونما ایک ساتھ، ایک ہی گھر میں اور ایک ہی ماحول میں ہوئی کیونکہ ان دونوں بچوں کا بچپن ایک ساتھ گزرا اس لیے پڑھنے لکھنے کے ساتھ ساتھ کھیلنے، اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے ایک خاص قسم کا اُنس اور محبت دونوں کے درمیان پیدا ہوگئی۔ جب کہ اختری بیگم کو شروع ہی سے بیگم ابرار حسین نے اپنے بیٹے سعید کے لیے مانگ لیا تھا۔(اکبر آبادی، سعید احمد،''وفیات (اختری بیگم)'' محولہ بالا،ص ۵۶)

(۲۷) ایضاً،ص ۵۸ (۲۸) ایضاً،ص ۵۸، ۵۹ (۲۹) ایضاً،ص ۵۹، ۶۰

(۳۰) یہ بات مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی بیٹی محترمہ مسعودہ سعید صاحبہ نے اپریل ۲۰۰۸ء میں اپنی ایک ٹیلی فونک گفتگو میں بتائی۔

(۳۱) اکبر آبادی، سعید احمد،''وفیات (اختری بیگم)'' محولہ بالا،ص ۶۴

(۳۲) ایضاً، جولائی ۱۹۸۰ء''نظرات'' محولہ بالا، جلد۸۵، شمارہ۱،ص ۲ (۳۳) ایضاً

(۳۴) احمد، اسرار،''چند یادیں۔چند باتیں''مشمولہ: میثاق، جلد۳۴، شمارہ۸،ص ۸، لاہور: مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی، اگست ۱۹۸۵ء

(۳۵) اکبر آبادی، سعید احمد، فروری ۱۹۴۹ء''نظرات''، محولہ بالا، جلد بست و دوم، شمارہ۲،ص ۶۷

(۳۶) ایضاً، جنوری ۱۹۸۳ء، جلد۹۰، شمارہ۱،ص ۴

(۳۷) کاکوروی، مسعود انور علوی،''مولانا اکبر آبادی مرحوم اور برُہان''،مشمولہ: برُہان، جلد۹۸، شمارہ۲،ص ۱۸، دہلی: ندوۃ المصنفین، اگست ۱۹۸۶ء

(۳۸) ایضاً (۳۹) عبدالرحمٰن، سید صباح الدین،''وفیات، مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی یاد میں''،مشمولہ: معارف، جلد۱۳۶، شمارہ۱،ص ۵۹، اعظم گڑھ: دارالمصنفین، جولائی ۱۹۸۵ء

(۴۰) ایضاً،ص ۶۰ (۴۱) ایضاً،ص ۵۸ (۴۲) ایضاً،ص ۵۹

(۴۳) ندوی، محسن عثمانی،''مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا طرزِ نگارش''،مشمولہ: مولانا سعید احمد اکبر آبادی احوال وآثار، مرتبہ: محمد سعود عالم قاسمی، ص ۵۱، علیگڑھ، شعبہ سنی دینیات، مسلم یونیورسٹی (الہند)، ۲۰۰۵ء

(۴۴) جولائی ۱۹۸۵ء کا لکھنؤ کا پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' میں مولانا سید علی ندوی مدظلہ العالی کی یہ تعزیتی تقریر شائع ہوئی جو انہوں نے دارالعلوم کی وسیع مسجد میں اساتذہ وطلبہ کے سامنے فرمائی تھی۔

(۴۵) عبدالرحمٰن،سید صباح الدین،محولہ بالا،ص ۱۹۸ (۴۶) ندوی،محسن عثمانی،محولہ بالا،ص ۵۱

(۴۷) عاصم،عبید اقبال،''نظرات کا طویل ادارتی سلسلہ النباء العظیم'' مشمولہ: مولانا سعید احمد اکبرآبادی احوال و آثار،مرتبہ: محمد سعود عالم قاسمی،ص۱۹۴،علیگڑھ: شعبہ سنی دینیات،مسلم یونیورسٹی (الہند)،۲۰۰۵ء

(۴۸) اکبرآبادی،سعید احمد،جنوری ۱۹۷۰ء ''نظرات'' محولہ بالا،جلد۶۴،شمارہ۱،ص ۷

(۴۹) روزنامہ جنگ: کراچی،جمعہ ایڈیشن،۲۷ جون ۱۹۸۶ء

(۵۰) اسلم،محمد،''(وفیات) مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی رحلت''،مشمولہ: معارف،جلد۱۳۵،شمارہ۶،ص۴۶۲،اعظم گڑھ: دارالمصنفین،جون ۱۹۸۵ء

(۵۱) مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے سب سے بڑے بیٹے مرغوب احمد تھے۔ جو ڈیڑھ برس کی عمر میں ہی بچپن میں فوت ہوگئے تھے۔ان کے بعد محمودہ بیگم تھیں۔ان کے شوہر محبوب درانی مرادآباد کے رہنے والے تھے۔محمودہ بیگم اور ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے۔ان کی پانچ بیٹیاں ہیں جن کے نام یہ ہیں: شاہین،ناہید،ثمینہ،عالیہ اور مہ جبیں ان میں سے شاہین،ثمینہ اور عالیہ شادی شدہ ہیں۔ ناہید کی شادی ابھی تک نہیں ہوئی ہے اور مہہ جبیں بیس سال کی عمر میں آگ سے جل کر انتقال کر گئیں۔

مسعودہ بیگم جو مولانا سعید کی دوسری بیٹی ہیں،ان کے شوہر ابوالمحمود جن کا انتقال ۱۲۲ کتوبر ۲۰۰۷ء میں ہو چکا ہے۔کلکتہ کے رہنے والے شیخ محمد جان بزرگ کے بیٹے تھے۔ابوالمحمود سعید پہلے سوئٹزر لینڈ کی مشہور فرم ''سیبا گائیگی'' میں منیجر تھے اس کے بعد پرائیوٹ کمپنی Engro Chemicals میں کام کرتے رہے۔مولانا سعید احمد اکبرآبادی اپنے داماد ابوالمحمود کو ''مونا'' کہہ کر پکارتے تھے۔مولانا کی زندگی کے آخری ایام آپ کے گھر میں ہی بسر ہوئے مولانا کی بیٹی مسعودہ بیگم مولانا کی اولادوں میں سب سے زیادہ ذہین وفطین ہیں۔ یہ ادیب ماہر اور بی اے ہیں۔مسعودہ سعید ستمبر ۱۹۷۷ء میں ریڈیو پاکستان میں خاتون پروگرام اور بچوں کے پروگرام کی انچارج رہیں۔ پھر نیول پبلک اسکول میں پاکستان اسٹڈیز اور اردو پڑھاتی رہیں۔ان کے دو بچے ہیں ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔ بیٹا نوید آج کل نیوی میں لفٹنٹ کمانڈر ہے اور بیٹی فوزیہ ہیں۔ان کے شوہر ڈاکٹر مظفر محمود این ای ڈی یونیورسٹی کراچی میں میکینکل انجینئرنگ کے شعبے کے چیئرمین ہیں۔

مولانا کی ایک بیٹی ریحانہ بیگم ہیں،جنہوں نے علیگڑھ یونیورسٹی سے ایم۔اے فارسی میں کیا ہے۔ان کی شادی ۱۱ مارچ ۱۹۶۷ء میں پروفیسر محمد اسلم (صدر شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی) سے ہوئی تھی۔ ۱۱۶ کتوبر ۱۹۹۸ء کو پروفیسر محمد اسلم کا انتقال ہو چکا ہے۔ان کے چار بچے ہیں؛ فواد ظفر، زمیلہ فرزانہ،تنویر انجم اور نافع۔تمام بچے شادی شدہ ہیں۔ان میں تنویر انجم صاحبہ اسلام آباد یونیورسٹی میں شعبہ تاریخ میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ ریحانہ بیگم سے چھوٹی بیٹی سلطانہ بیگم تھیں جو بچپن میں ہی فوت ہوگئیں۔

مولانا کے بیٹوں میں ایک بیٹے ظفر مسعود عرف سعید تھے۔ جو مصور تھے اور مولانا کے سب سے پیارے اور چہیتے بیٹے تھے۔ان کا انتقال ۱۹۸۳ء میں مولانا کی زندگی میں ہی ہوگیا تھا۔ان کی وفات پر مولانا کو شدید صدمہ پہنچا جو ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔

مولانا کے ایک اور بیٹے خورشید احمد جو عمر سعید کے بعد ہیں انہوں نے انجینئرنگ میں ڈپلومہ کیا ہے۔ان کی شادی مولانا کے جگری دوست قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی کی بیٹی منیبہ سے ہوئی۔ یہ آج کل علیگڑھ میں رہائش پزیر ہیں،اور لاولد ہیں۔

مولانا کے ایک بیٹے حسین احمد ہیں جو کراچی میں رہتے ہیں دماغی توازن ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے کام کرنے سے قاصر ہیں۔

مولانا کے ایک اور بیٹے جنید احمد ہیں جنہوں نے ایم۔اے کیا ہے۔ یہ پہلے نیشنل فنانس کارپوریشن کراچی میں ملازمت کرتے تھے۔ اب گولڈن شیک ہینڈ لے لیا ہے۔ یہ بھی شادی شدہ ہیں ان کی کوئی اولاد نہیں۔

فرحانہ بیگم جو مولانا کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں انہوں نے علیگڑھ یونیورسٹی سے ایم۔اے کیا ہے اور یہ اپنی بہن مسعودہ سعید کے ساتھ کراچی میں رہائش پزیر ہیں۔(یہ باتیں مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی بیٹی مسعودہ سعید صاحبہ نے ایک ملاقات کے دوران بتائیں)